ڈاکٹر روش ندیم

اسسٹنٹ پروفیسر،بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

ادیب اور نظریہ

Dr. Ravish Nadim

Assistant Professor,International Islamic University, Islamabad

Writer and Ideology

Ideology is an essential part of literature and a literary writer as well. Because at its higher stage literature gives understanding and interpretation of life and universe, too. Development of ideology is inevitable by the writer's intellect because every thing concern with the writer and his writing is not beyond the ideology. After modernism in the era of post modernism writer is facing a challenge in the mater of Ideology.

> اگر نظریات تاریخ کا تعین نہیں کرتے تو ایجادات کرتی ہیں اور ایجادات کا تعین نظریات سے ہی ہوتا ہے۔ یقیناً خواہش، ہماری ناقابل تسکین ضروریات، بلاتکان جستجو ہی ہمیں سوچنے کی تحریک دلاتی ہے۔لیکن جستجو چاہے کتنی بھی تحریک یافتہ یا القا یافتہ ہو، ہمیشہ فکر ہی ہمیں راستہ دکھاتی ہے۔(۱)

ہر معاشرے کا بنیادی ڈھانچہ مخصوص افکار اور فلسفوں کو پروان چڑھاتا ہے۔ جو کہ بظاہر آپس میں مختلف ہونے کے باوجود اپنی بنیاد میں ہم آہنگی کے حوالے سے سماجی و تہذیبی شناخت رکھتے ہیں۔ معاشرتی زندگی دراصل اجتماعی مفادات سے پھوٹنے والے نظریات ہی کی نمائندہ ہوتی ہے۔ یہ معاشرتی زندگی کی جبریت ہی ہے کہ ہر شخص کا طرز عمل شعوری یا لاشعوری طور پر انہی افکار و نظریات کے زیر اثر ہوتا ہے۔ صاحب عقل و دانش ہونے کے ناطے ہر شخص شعوری یا لاشعوری طور پر زندگی اور کائنات کے مظاہر بارے نقطہ ہائے نظر رکھتا ہے، جو کہ کلی طور پر ترتیب پا کر نظریہ کی تشکیل کرتے ہیں، جسے نقطۂ نظر، تھیوری، فلسفۂ حیات، آئیڈیالوجی جیسے مختلف الفاظ سے بھی پکارا جاتا رہا ہے۔

> مقصود منزل تک پہنچنے میں جو راستہ مددگار ہوتا ہے اسے ہم فلسفے کی اصطلاح میں نظریہ کہتے ہیں۔۔۔ یہ منزل سے متاثر بھی ہوتا ہے اور اس کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ گویا اس کے مقصود میں ایک طرح سے جدلی رشتہ ہوتا ہے۔ نظریہ بھی اور اس سے حاصل ہونے والا مقصود بھی انسان شعوری طور پر طے کرتا ہے۔(۲)

آج کے دور میں سپیشلائزیشن کے حوالے سے زندگی کے تمام شعبے اپنا ایک مخصوص نظریہ رکھتے ہیں۔ بزنس، سائنس، کمپیوٹر، ادب، آرٹ، سماجیات سمیت ہر شعبہ اپنے نظریہ ساز ہی کی بدولت نت نئے تصورات، ایجادات اور دریافتوں کے ذریعے ارتقا پذیر ہوتا ہے۔ ادب و آرٹ تصوراتی و جذباتی ہیئتوں میں، سائنس ایجادات و فارمولوں کی تعقلاتی ہیئتوں میں، سماجی علوم نت نئے افکار و تصورات میں اور بزنس و کمپیوٹر ہندسوں کی صورت میں نظریہ سازی کرتے ہیں۔ سماجی تشکیل میں یہ تمام نظریہ ساز زندگی کی کلیت کے اظہار میں یکساں اور باہم حصے دار ہیں۔

ادب زندگی کے تمام تر شعبوں کا نمائندہ ہوتا ہے اسی لیے ناقدین اسے اس کے فن پارے کو جانچنے کے لیے جن پیمانوں کا اطلاق کرتے ہیں ان کی تشکیل دوسرے علوم: مذہب، فلسفہ، نفسیات، علم الاصنام، عمرانیات، تاریخ معاشیات، سیاست وغیرہ کی مدد سے ہوتی ہے(۳)۔ اسی صورت میں ایک ادیب تخلیق، دانش، بصیرت، تجزیہ، تنقید اور حساسیت کے حوالے سے معاشرے کا اہم ترین رکن تصور ہوتا ہے۔ اس کے ہاں نظریہ زیادہ گہرا، وسیع، تہ دار اور ہمہ جہت ہوتا ہے۔ ادبی حوالے سے نظریے کے مسئلے کا تعین ادب کے مقصد کے ساتھ مشروط ہے۔ یہ مقصد محض تفریح، مسرت یا کیتھارسز نہیں بلکہ اعلیٰ و ارفع سطح پر پیغام، رہنمائی، تہذیب اور کائنات و حیات کی تعبیر و تفہیم بھی ہے۔ گویا ادب کسی نظریے یا نقطۂ نظر کا اظہار تخلیقیت و تفلسف کی ایک ہم آہنگ سطح پر کرتا ہے۔ چاہے وہ نظریہ برائے پیغام ہو یا رہنمائی اور برائے تہذیب ہو یا تعبیر و تفہیم حیات۔ اس طرح گویا ایک ادیب زندگی اور کائنات کی تعبیر و تفہیم میں اپنا ایک مخصوص نظریہ لازماً رکھتا ہے جو اس کے ''ورلڈ آؤٹ لک'' سے ترتیب پاتا ہے اور ایک گہرے اور سنجیدہ تفکر کے نتیجے میں منظّم ہوتا ہے اور پھر شعوری و لاشعوری طور پر اعلیٰ ترین روایات و رجحانات میں اپنا اظہار کرتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ ادیب تفکر نہ کرے اور اس کے نتیجے میں وہ کسی نظریے کا حامل نہ ہو جائے۔ ادیب، تفکر اور نظریے کی تکون ٹوٹ ہی نہیں سکتی۔

> ادیب اور ادب تو خود آئیڈیالوجی کے اندر ہیں یعنی متن آئیڈیولوجیکل فضا سے باہر ہے ہی نہیں۔۔۔ ہر نظریۂ حیات یا ہر نظریۂ اقدار جس کی رو سے ہم گزران کرتے ہیں اور زندگی کو جھیلتے ہیں وہ کسی نہ کسی آئیڈیولوجی سے مربوط ہے۔ گویا لکھنے والے کو اس کو احساس ہو یا نہ ہو اس کی کچھ نہ کچھ آئیڈیولوجیکل ترجیحات ضرور ہوتی ہیں جو اس کے نظریۂ حیات میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں اور اس کے تخلیقی عمل کا حصہ ہوتی ہیں۔ مختصر یہ کہ ادب اور آرٹ ہیں ہی آئیڈیولوجی کی تشکیل، اور ادب اور آرٹ میں کوئی موقف خواہ کتنا غیر آئیڈیولوجیکل محسوس وہ معصوم ہو ہی نہیں سکتا یعنی آئیڈیولوجی سے عاری ہو ہی نہیں سکتا۔ اور تو اور آئیڈیولوجی زبان کے اندر لکھی ہوئی ہے اور ادیب کے اظہار و اسلوب کا پیرایہ تک آئیڈیولوجی سے یکسر مبرا نہیں۔(۴)

ادب کی روایت دانش کی نمائندہ ہو یا جذبے کی، قاری کے لطف و مسرت کے لیے محض لفظی بازی گری نہیں ہوتی بلکہ کسی نہ کسی فکر ہی کا جمالیاتی تخلیقی اظہار ہوتی ہے جس میں ادیب اور قاری دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خاموش مکالمہ کرتے ہیں۔ یہ ادبی اظہار بذات خود مخصوص زاویے میں تفکر پر ابھارتا چلا جاتا ہے۔ اعلیٰ ادب کا قاری مسرت کی ایسی عمومی سطح پر ادب کا مطالعہ ہی نہیں کرتا جو تعقل و دانش سے خالی

ہو کیونکہ ''ادب اپنی اعلیٰ ترین صورت میں فلسفہ کا ہم مرتبہ ہوتا ہے۔''(۵)۔لہٰذا جیسے جیسے ادب ترقی کی منزلیں طے کرتا چلا جاتا ہے گویا وہ زندگی و کائنات کے سنجیدہ، منظّم اور گہرے مطالعے کی طرف قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ادب و کائنات کی تعبیر و تفہیم میں بنیادی کردار تفکر و دانش اور نقطۂ نظر و نظریے کے بغیر ادا نہیں کر سکتا ہے۔اسی لیے اعلیٰ ادب قاری کو زندگی اور کائنات کے بارے میں گہری سوچ اور انہیں دیکھنے کا نیا زاویہ مہیا کرتا ہے۔

ایک ادیب جب تفکر کے عمل سے گزرتا ہے تو وہ حیات و کائنات کے حوالے سے اپنے نظریے کی تشکیل کی طرف بہت ذمہ داری کے ساتھ بڑھتا ہے۔وہ اپنے کچھ ذہنی ایشوز اور سوالوں کے جوابات کی تلاش کرتا ہے۔خدا، کائنات، انسان، سماج، ادب جیسے حقائق کے ساتھ ساتھ اپنے سماجی و ادبی وجود اور کردار کو پہچاننے، جانچنے اور ماننے کے لیے کچھ بنیادوں، پیمانوں، معیاروں، نظریوں اور مفروضوں کا تعین کرتا ہے۔اس حوالے سے وہ موجود نظریات پر بھی بحیثیت دانشور ادیب تنقیدی و تجزیاتی حوالے سے غور و خوص کرتا ہے اور انہیں تاریخ، اخلاق، سماج، معیشت، سیاست، اقدار گویا ہر سطح پر پرکھتا ہے۔حیات و کائنات پر سوچ بچار کا یہ عمل اسے سماجی ذمہ داری کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ نظریات کا تقابل اسے ایک بہتر مکمل نظریہ کی طرف گامزن کرتا ہے جو روح عصر، جدید تر علم، سماجی تقاضوں، تازہ فکری رجحانات، اعلیٰ اقدار، اجتماعیت اور خیر کی اعلیٰ سطح کے ساتھ منسلک ہوتا ہے۔یوں ادیب اپنے عہد کی سچائیوں میں سے اعلیٰ سچائی کی تلاش کی طرف بڑھتا ہے اور یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اسے کس سچائی کو اپنانا ہے۔وہ تعمیم سے تخصیص کی طرف سفر کرتا ہوا گہرائی و گیرائی کے ساتھ ایک منظّم فکری عمل کے نتیجے میں اپنے تئیں ایک اعلیٰ نظریے کی طرف بڑھتا ہے۔لیکن اس سطح تک آنے کے لیے یہ بہت اہم ہو جاتا ہے کہ بحیثیت ایک مفکر ادیب اس کے مطالعے، تفکر، سماجی تعلقات کا دائرہ کار کیا ہے؟ اس کا طبعی رجحان طرز حیات اور فکری دائرہ کار کیا ہے؟ گویا ''سوز و سازِ رومی'' اور ''پیچ و تابِ رازی'' کے تحت وہ اپنے نظریہ کو فکری جدلیاتی عمل کے ذریعے سے بہتر سے بہتر کی طرف کیسے لے جاتا ہے اور اس کا اظہار حیات و فن میں کس طرح کرتا ہے۔کیونکہ ادب محض کوئی شوقیہ جز وقتی مصروفیت نہیں بلکہ ایک طرز حیات اور طرز عمل کا نام ہے۔اسی لئے نظریہ اور کمٹ منٹ کا مسئلہ لازم و ملزوم ہے۔ادب میں نظریہ اور کمٹمنٹ کا مخالف اور ذہنی آزادی کا مدعی بھی تو اپنی آزاد خیالی کے نظریے سے کمٹمنٹ ضرور رکھتا ہے اسی لیے سارتر نے کہا تھا کہ لکھنے کا عمل خود ایک کمٹمنٹ ہے۔کیونکہ کمٹمنٹ جہاں ایک ذمہ داری کے ذریعے زندگی کو فعال بناتی ہے وہیں اسے ایک معنویت بھی دیتی ہے۔

آئندہ کی بنیاد پر نظریہ سازی کا تمام تر عمل درحقیقت ایک سماج اور اس کے ٹائم فریم پر مشتمل سیاق و سباق سے ہی تشکیل پاتا ہے۔اس لیے آج کے نظریہ پسند ادیب کی ذہنی سرگرمی ہم عصر سماجی پیراڈائم سے وقوع پذیر ہوتی ہے۔وہ خارجی حقائق سے جڑ کر ماضی و مستقبل کی رومانوی و تصوراتی ابہام پسندی اور مابعد الطبیعیاتی و روحانی اسیری کی بجائے حال کی حقیقت کو اساس بناتے ہیں۔محض قبولیت کی بجائے اینٹی تھیسس کے ذریعے تضادات پر نظر ثانی کرتے ہوئے نئے تصورات کی نمو اور موجود کی نئی شرح کرتے ہیں۔مقتدر قوتوں کے پھیلائے تصورات و نظریات اور ترغیبات کے مقابلے میں انسانی صورتحال کی کلیت، سماجی تقدمات اور نظریہ کے مابین ہم آہنگی کو روح عصر کے تحت عام لوگوں اور اقدار کے حوالے سے پرکھنا ان کا وظیفہ ہے۔کیونکہ نظریہ کو معاشرے اور تہذیب کا نمائندہ بھی ہونا چاہیئے اور ان کی عملیت کو متاثر کرنے والا بھی۔انیس ناگی کے نزدیک ایک دانشور ادیب وہ ہے:''۔۔۔جو تصورات کی تخلیق کرتا ہے یا وہ تصورات جو معاشرے کی فکری زندگی میں موجود ہوتے ہیں ان کی تشریح کے ذریعے نئے تصورات کی تولید کے ہے فضا پیدا کرتا ہے۔نئے استفسارات پیدا کرتا ہے۔نئے

تناقضات کی نشاندہی کرتا ہے۔''(۶)

کسی بھی ادیب کی تخلیق فنکارانہ سطح پر اس کے ''ورلڈ آؤٹ لک'' کا اظہار ہوتی ہے اور اعلیٰ ادب جمالیاتی سطح پر احساس کی شدت کے ساتھ فکر کی پیشکش سے مشروط ہوتا ہے مگر یاد رہے کہ احساس کی بلندی فکر و دانش کی بلندی کے تابع ہوتی ہے اسی لیے اعلیٰ فنی تخلیق شعور اور احساس جمال کے تخلیقی سطح پر متناسب آمیزے سے تیاری ہوتی ہے۔ ایک اعلیٰ ادبی فن پارہ جس قدر قوت سے اپنی منظّم فکر کا جمالیاتی اظہار کرتا ہے اسی قدر تفکر و تہذیب ابھارنے میں کامیاب ہوتا ہے کسی ادیب کا نقطۂ نظر، نظریہ، یا دانشوری کا ادبی تخلیق میں اظہار فطری انداز میں ہوتا ہے۔ وہ فن اور نظریہ کی دوئی کا شکار نہیں ہوتا بلکہ اس کا نظریہ خود بخود فنی جمالیات میں ڈھل کر تحریر ہوتا چلا جاتا ہے اگر ادیب تخلیق کی صلاحیت سے مالا مال ہے اور وہ اپنے معروض کے متعلق تفکر کا بھی عادی ہے اور اس حوالے سے اپنے کئی سوالوں کی زد میں رہتا ہے تو ممکن نہیں کہ وہ جو کچھ تخلیق کرے وہ دانشورانہ ادب کا نمائندہ نہ ہو۔ لہٰذا اس بات میں شک نہیں رہنا چاہیے کہ تفکر ادیب بھی کرتا ہے اور فلسفی بھی۔ اس سطح پر نظریے کے حوالے سے دونوں برابر ہوتے ہیں کیونکہ ادب اور فلسفہ اپنی اعلیٰ ترین سطح پر گویا ہم مرتبہ و ہم مقصد ہوتے ہیں۔ مگر ان میں فرق طرزِ اظہار کا ہے۔ فلسفی کا اظہار ادبی نہیں ہوتا جبکہ ایک ادیب ادب کے فنی تقاضوں کا پابند ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک مصور اپنے نظریے کا اظہار تصویر بنا کر کرتا ہے لکھ کر نہیں۔ گویا نظریے کا ایسا اظہار جس میں ادب کے جمالیاتی لوازمات کو ملحوظ نہ رکھا جائے ادب سے خارج ہے کیونکہ وہ دانش اور جذبہ و احساس کے توازن سے تخلیق کرتا ہے۔ البتہ ایک جمالیاتی و تخلیقی اظہار کی معیار کے لحاظ سے درجہ بندی کی جا سکتی ہے۔ اپنی تمام تر فنی خوبیوں کے باوجود ادیب کے ذاتی نقطۂ نظر کے بغیر کوئی بھی ادب پارہ درجہ بندی کی اعلیٰ ترین سطح کو چھو ہی نہیں سکتا۔ فنکارانہ حسن و لطافت سے عاری اظہار ادبی آرٹ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی لیے بڑی سے بڑی سیاسی و عمرانی تحریر یا تاریخی و معاشی تجزیہ بھی جمالیاتی لطافتوں اور فنی ضابطوں کے بغیر ادب نہیں بن سکتا۔ ادب میں نظریے کے بغیر فنی جمالیات اور فنی جمالیات کے بغیر نظریہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ لہٰذا شاعری اور فکشن پر مشتمل ایسا کتنا ہی اثاثہ تھا جو ماضی کے کوڑے دان کی نذر ہو گیا اور آج محض کچھ لائبریریوں، نصابی مقالوں اور چند بوڑھے محققین کی تحریروں میں دفن ہے۔

اینگلو امریکی تنقیدی دبستان سے متاثر خاص نقطۂ نظر کے حامل بیشتر ادیبوں کی طرح ممتاز شیریں بھی ادب میں نظریے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتیں اور ادب و سیاست کے تعلق سے بھی خائف نظر آتی ہیں اور وہ نئی تنقید کے زیر اثر بار بار ادیب کے لیے ذہنی آزادی کا مطالبہ کرتی ہیں۔(۷) یہ نقطۂ نظر ترقی پسند تحریک کے متوازی جدیدیت پسند ادب کے تحت وجود میں آیا تھا جبکہ دوسرے نقطۂ نظر کے حامل ناقدین نے نظریہ مخالف ادیبوں پر بورژوا مفکرین ہونے کا الزام لگاتے ہیں'' کیونکہ ان کے نزدیک نظریہ سے ادب پروپیگنڈا بن جاتا ہے اور اس میں ادبیت ختم ہو جاتی ہے لیکن عملی طور پر دیکھا جائے تو یہ ناممکن ہے کہ کسی فن پارے میں کوئی نظریہ نہ ہو۔''(۸)

نظریہ کسی اعتقاد کی طرح جبریت کا حامل نہیں ہوتا کہ ایک ادب کے اظہارِ ذات کو مقید و محدود کر دے۔ ایک ادیب کے ہاں نظریے کا اظہار اس کی ذات ہی کا گہرا اظہار ہوتا ہے۔ گویا یہ ادیب کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بلکہ اس کی جذباتی و عقلی تنظیم ہے جس سے فردیت پسندی، آزاد خیالی، عدم وابستگی اور نظریہ مخالفت کا نعرہ لگانے والے ادیبوں کی تخلیقات بھی نہیں بچ سکتیں۔ یوں یہ کہنا کہ ہمارا کوئی نظریہ یا نظریاتی لیبل نہیں ہے بذاتِ خود ایک نظریہ ہے جس کی نظریہ سازی ایک مسلکِ حیات کے طور پر کی گئی ہے۔ عدم نظریہ یا نظریہ مخالفت کے حامی یہ نہیں سمجھتے انفرادی سطح پر حقیقت کی تفہیم ادیب کو کسی نتیجہ کی طرف پیش قدمی کی صورت میں کوئی نہ کوئی نظریہ اپنانے یا بنانے پر مجبور کر

دیتی ہے جو کہ مروجہ فکری وفلسفیانہ رجحانات میں سے کسی ایک کا نمائندہ بھی ہوسکتا ہے اور آمیزہ بھی۔ کیونکہ تمام فلسفے کسی بھی سماجی نظام کے بنیادی ڈھانچے سے جنم لیتے ہیں۔ ایک بظاہر آزاد اور نان کمیٹڈ ادیب اپنی فکری آزادی سے تو کمیٹڈ ہوتا ہی ہے۔ اسی لیے سارتر ادیب کے لکھنے ہی کو کمٹمنٹ کہتا ہے۔ کیونکہ اپنی لکھت میں ہر لکھاری ایک موقف کا اظہار کرتا ہے اور اس سے وابستہ رہتا ہے۔ لیکن ایک آزاد خیال حقیقی تخلیق کار بھی اپنے اردگرد پھیلے حقائق پر تفکر کے بنا نہیں رہ سکتا۔ یہ تفکر ناگزیر طور پر اسے کسی نقطۂ نظر یا نظریے کی تشکیل سے ہمکنار کردے گا۔ اگر آزاد خیال ادیب انتہائی جینئیس ہے تو وہ ایک نئے نظریے کی تخلیق کردے گا بصورت دیگر وہ پہلے سے موجود کسی نظریاتی رجحان ومسلک کا ترجمان بن جائے گا لیکن نظریہ کے بغیر آزاد خیالی یا تخلیق ادب کا اعلان ایسے ہی ہے جیسے انڈے کے بغیر آملیٹ بنانا۔ اگر ہم اس بات کو تھوڑی دیر کے لیے فرض کرلیں کہ ایک ادیب بحیثیت فرد اپنے انفرادی واجتماعی لاشعور، خاندانی جینز، اپنے ماحول، جغرافیائی حالات، روایت، تاریخ، کلچر، زبان کی حدود، طبقہ اور نا جانے کس کس کا پابند ہوتا ہے تو ایسے میں ادیب کی انفرادی آزادی کے کیا معنی؟؟ نوآبادیاتی وطبقاتی استحصالی نظام میں پس رہے ایک ادیب کا انفرادی تخلیقی وفکری آزادی کے نعرۂ مستانہ کا کیا مطلب؟؟ ایسی صورت میں تو ایک اعلیٰ خاصیتوں سے متصف نظریہ آزادی کی علامت اور اس کا ردغلامی کی علامت نہیں تو اور کیا ہوسکتا ہے۔

کمیٹڈ لٹریچر کے مخالفین اعلیٰ ودائمی قدروں کے حامل آفاقی ادب کی تخلیق کو خالص فن کے ساتھ مشروط کرکے آئیڈیالوجی کو اس کے لیے شدید خطرہ قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا وہ خارجیت کی بجائے اپنے بطون کی گہرائیوں پر انحصار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ غیر وابستہ وغیر نظریاتی ادب لکھ رہے ہیں جبکہ بقول مجنوں ''ایک فنکار حقیقت پر التباس کرکے ہی خارجی اسباب وموثرات کو اپنے ذہنی سانچے میں ڈھالتا ہے۔''(۹) کسی تخلیق کار کی سب سے اعلیٰ خاصیت اس کی انفرادیت ہوتی ہے جو فن پارے کی ہر جہت اور عنصر میں عیاں ہوتی ہے کسی ایک نظریے کے حامل ہوتے ہوئے بھی مختلف ادیب اپنے تخلیقی اظہار میں ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہوتے ہیں کیونکہ ہر ایک کی شخصیت، نفسیاتی پس منظر، ماحول، جمالیاتی اپچ، اسلوب، معاشرتی زاویہ، مفکرانہ جہت اور نظریے کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ جڑت سمیت دیگر کئی عوامل اس کی انفرادیت کی اساس بنتے ہیں۔ دراصل ''تخلیقی شخص وہ ہوتا ہے جو نیا تجربہ کرسکتا ہے جو بنے بنائے راستہ پر نہیں چلتا۔''(۱۰) گویا نظریہ کسی جبریت اور میکانیت کا اظہار نہیں ہوتا بشرطیکہ ادیب تخلیقی طور پر توانا ہو۔ یہاں یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ نظریاتی کمٹمنٹ سے مراد کسی نظریہ کو عقیدہ مان کر نہ تو تفکر اور تخلیقی سوچ کے دروازے بند کرلینا ہے اور نہ ہی ذہنی ارتقا اور تنقید وتجزیہ کی انفرادی صلاحیت کو جامد کرلینا۔ جو ادیب نظریہ کو عقیدہ بنا کر مخصوص یکسانیت اور میکانیت پیدا کرنے کے حامی ہیں گویا نہ صرف وہ ایک ادیب کے تخلیقی سیلف کو سمجھنے میں بری طرح ناکام ہیں بلکہ مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے نظریاتی تشدد کے حامی ہیں حقیقت کے شعور وافہام کی کاوشوں اور ان کے اظہار کے لیے انفرادی آزادی ایک یکساں نظریاتی گروہ میں بھی ناگزیر ہوتی ہے ورنہ تخلیقی سوتے بنجر ہوکر رہ جاتے ہیں۔ گویا وہ ادب پر نظریاتی تشدد کرتے ہیں۔ جس طرح اپنے نظریہ پر نظر ثانی کرتے رہنا، اسے نئی تخلیقی جہتوں سے ہمکنار کرنا، اسے enrich کرنا اور حالات کے مطابق بدلتے چلے جانا بھی ادیب کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح مردہ، جامد اور out dated نظریات سے جان چھڑا لینا بھی ادیب کے لیے انتہائی ناگزیر ہے۔ ''جس طرح فکر انسانی میں عہد بہ عہد تغیرات ہوتے رہے ہیں اسی طرح دانشور کا تصور بھی ترمیم ہوتا رہا ہے۔''(۱۱) زندگی جب تاریخ کے نئے مراحل میں داخل ہوتی ہے اور تغیرات زمانہ سے کوئی زاویۂ نظر، فلسفۂ حیات یا نظریہ بوسیدہ ہونے لگتا ہے تو یہ ایک صاحب نظر دانشور ادیب کا تخلیقی تقاضا ہے کہ وہ اپنے نظریہ اور معروض پر نظر ثانی کرے اور ان کے مابین روح عصر اور سماجی ضرورتوں کے مطابق نئی ہم آہنگی اور توازن

پیدا کرے۔نظریہ کو بدلتے ہوئے زمانی تقاضوں کے مطابق ڈھالتے چلے جانا بذات خود ایک تخلیقی عمل ہے۔

> کسی بھی نظریے سے یا مذہبی، سیاسی اور ادبی موقف کو اختیار کرنے سے قبل اس کا بھرپور انتقادی جائزہ لینا بہت ضروری ہے اور جائزہ ان اقدار کی روشنی میں لینا ضروری ہے جو اقدار زندگی کے تخلیقی عمل اور اسے مالا مال بنانے کی ضامن ہیں کوئی بھی سیاسی، معاشی، مذہبی یا ادبی نظریہ یا اس نظریے کی روشنی میں مرتب کیا گیا پروگرام اگر ان اقدار کی نفی کرتا ہے۔تو نہ تو ایسے نظریے سے یا ایسے پروگرام سے وابستگی کوئی معنی رکھتی ہے۔(۱۲)

دراصل ادیب کی نظریاتی وابستگی بذات خود ''انتخاب کی آزادی'' کے نتیجے ہی میں ظہور میں آتی ہے یعنی یہ کمٹمنٹ قطعی طور پر رضا کارانہ ہوتی ہے اور یہ بھی ادیب پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ نظریے کے کس شعبے میں اور کتنا گہرائی تک سفر کرتا ہے۔اندھی نظریاتی وابستگی خود زندگی اور آزادیٔ فکر سے دشمنی ہے۔پروپیگنڈا ادب اسی سے جنم لیتا ہے۔کیونکہ ادیب کی کمٹمنٹ کسی سیاسی پروگرام سے نہیں بلکہ زندگی کو enrich کرنے والی اقدار سے ہوتی ہے اور کمٹمنٹ کا ضمیر کی آزادی سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی نظریہ زندگی سے بڑا نہیں ہوسکتا کیونکہ زندگی ہر نظریے سے بڑی ہے لیکن پھر بھی زندگی کی تفہیم کے لیے نظریے کو رد نہیں کیا جاسکتا۔

قدیم عہد یونان سے لے کر ازمنہ وسطیٰ کے اواخر تک کے کلاسیکی ادب کی بنیاد جمالیاتی ذوق اور رومانی مسرت کے نظریے پر قائم تھی جو قبائلی جاگیرداری شاہیت کے سماجی ڈھانچے کی پیدا کردہ مابعد الطبعیات کا نتیجہ تھا۔جدید ادب سرمایہ داریت کے تعقل پسند سیکولر جمہوری سماجی ڈھانچے کا نمائندہ بنا جس نے روشن خیالی کی بنیاد پر ادب کی نظریہ سازی کی۔لیکن اس کے متوازی پہلی دوسری عالمی جنگوں کے دور میں صنعت کار یورپی سماج نے جدیدیت کو فروغ دیا۔اردو ادب میں جہاں سرسید و اقبال کی تحریکوں سے لے کر ترقی پسند تحریک تک روشن خیالی کے نظریے کا فروغ رہا وہاں یلدرم اور نیاز فتحپوری سے لے کر حلقہ ارباب ذوق اور ساٹھ کی دہائی میں جدید ادب کی تحریک تک جدیدیت کے تحت نظریے کی مخالفت کا رجحان شدید طور پر رہا۔دوسری عالمی جنگ کے بعد ٹکنالوجی، میڈیا اور منڈی نے یورپی معاشرے کی جو تشکیل کی اس کی نمائندہ مابعد جدیدیت بنی۔ہمارے ہاں یہ نیا منظر نامہ اس وقت ابھرا جب روس میں اشتراکی زوال کے بعد ''اینڈ آف ہسٹری'' کی بنیاد پر لبرل معیشت نے گلوبل ولیج کا نعرہ بلند کیا۔مابعد جدیدیت میں نہ تو جدیدیت کی طرح نظریے اور ترقی پسندی کی مخالفت ہے اور نہ ہی واحدانی و یکسانی بنیادوں پر کسی بھی طرح کی مرکزیت۔مہابیانیوں کے مقابلے میں چھوٹے بیانیوں اور اجتماعی و عالمی کے مقابلے میں شخصی و مقامی کی اساس پر آزادی کا اعلان کیا گیا۔سوسئیر کا زبان کو، ہوسرل کا فہم عامہ کو، دریدا کا معنی کی وحدت کو لامرکزیت کا شکار کر کے تکثیریت پسندی کی بنیاد پر ایک ایسی ''تھیوری'' کا راستہ ہموار کیا جس کی کوئی تعریف ہی ممکن نہیں۔

> جدیدیت (modernism) کے علمبردار عقل اور سائنس کے ذریعے آفاقی قدروں کی تلاش میں نکلے تھے۔پسِ جدید کے نمائندوں نے یہ ثابت کر دیا کہ جدیدیت کی یہ کوششیں کتنی سادہ اور سطحی ہیں۔صداقت اضافی اور حقیقت موضوعی ٹھہری اور پیچیدہ انسانی صورتحال ہر عقلی نظام کی گرفت سے آزاد ثابت ہوئی۔

جدیدیت نے مذہب اور روایت کے بخیے ادھیڑے تھے اور پس جدیدیت نے
جدیدیت کو ہی تار تار کر دیا۔ اس ساری صورت حال کا نتیجہ لایعنیت اور اضافیت
(relativism) ہے جس سے نبٹنا ہنوز باقی ہے۔(۱۳)

اس عجیب وغریب نظریاتی صورت حال نے نظریے کا علم اٹھا کر خود نظریے کو ایک نئے چیلنج سے دوچار کر دیا ہے۔ آج کے نظریہ پسند ادیب کے لیے یہ بذات خود ایک نیا امتحان ہے۔

حوالہ جات

۱۔ وِل ڈیورانٹ، ''انسانی تاریخ کے عظیم ترین ذہن اور نظریات''، یاسر جواد، مترجم، لاہور، نگارشات پبلشرز، ۲۰۱۱ء، ص ۲۱

۲۔ اصغر علی انجینیر ''ترقی پسند ادب: نظریاتی بنیادی''، مشمولہ ''ترقی پسند ادب''، ڈاکٹر قمر رئیس، سید عاشور کاظمی، مرتبین، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۴ء، ص ۸۳

۳۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، مرتب، ''کشاف تنقیدی اصطلاحات''، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء، ص ۱۹۸

۴۔ گوپی چند نارنگ، ''ادب کا بدلتا منظر نامہ، ادب مابعد جدیدیت پر مکالمہ''، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۰ء، ص ۵۳، ۵۲

۵۔ شہزاد منظر، ''ردعمل''، کراچی، منظر پبلیکیشنز، ۱۹۸۵ء، ص ۹۴

۶۔ انیس ناگی، ''تشکیلات''، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۶ء، ص ۲۱

۷۔ ممتاز شیریں، ''معیار''، لاہور، نیا ادارہ، ۱۹۶۳ء، ص ۵۱۔۱۵۰

۸۔ ثاقب رزمی، ''ترقی پسند نظریہ ادب کی تشکیل جدید''، لاہور، آئینہ ادب، ۱۹۸۷ء، ص ۶۱

۹۔ مجنوں گورکھپوری ''فن اور جمالیات''، مشمولہ ''ترقی پسند ادب''، ص ۱۷۶

۱۰۔ گرور جنیش، ''آنے والے دور کا انسان''، صفدر رشید، مترجم، لاہور، دارالشعور، ۲۰۰۳ء، ص ۸۴

۱۱۔ انیس ناگی، ''تشکیلات''، ص ۲۳

۱۲۔ اصغر علی انجینیر ''ترقی پسند ادب: نظریاتی بنیادی''، مشمولہ ''ترقی پسند ادب''، ص ۱۳۳

۱۳۔ ارشد سراج الدین، پس نوشت، مشمولہ ''مابعد جدیدیت: مضمرات وممکنات''، اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء